ھدایت القرآن (۳۰)

مولانا محمد تقی امینی

اُمّتِ مسلمہ کی زندگی کا دستور العمل

اوپر امتِ مسلمہ کی قیادت کا اعلان ہوا تھا۔ اب اس کی زندگی کے لئے " دستور العمل " کا اعلان ہو رہا ہے " دستور العمل " کے باقی رہنے اور اس میں مضبوطی پیدا کرنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے (۱) عظمت اور (۲) تقدّس۔ عظمت سے دلوں میں اس کا وقار و احترام قائم ہوتا اور برقرار رہتا ہے اور تقدّس (مقدّس ہونا) سے دستور میں خاص قسم کی شانِ دلربائی اور کشش پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں زندگی کے کسی دستور العمل سے نکل جائیں تو پھر نہ طبیعت کی کشش اس کی طرف ہوگی اور نہ زندگی میں اس کا اصلی اثر ظاہر ہوگا۔

ان آیتوں میں" دستور العمل " کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے اس میں انہیں دو باتوں کا ذکر ہے۔" دستور " کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ تاریخ کی مسلّمہ بڑی شخصیتوں کا نہ صرف یہی زندگی کا دستور رہا ہے بلکہ وہ اپنی اولاد کو بھی اسی کی نصیحت اور وصیّت کرتے رہے ہیں۔ ان بڑوں کا یہ عمل اور تجربہ خود اپنی جگہ دستور کی " عظمت " پر شہادت ہے۔ اس کے مقدّس ہونے کا حال یہ ہے کہ دنیا کے مقدس ترین انسانوں کا یہ دستور العمل رہا ہے جن سے بڑھ کر دنیا نے مقدّس انسان پیدا نہیں کئے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کا عمل اور تجربہ دستور کے مقدّس ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ
مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(البقرۃ : ۱۳۰ - ۱۳۴)

"ملّت (دینی طریقۂ زندگی) ابراہیمی سے وہی شخص منہ پھیرتا ہے جو خود ہی بیوقوف ہو۔ ہم نے تو ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی چھانٹ لیا تھا اور آخرت میں (بھی)، بلاشبہ وہ صالح لوگوں میں سے ہیں جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ (ابراہیمؑ) اسلام لاؤ (اللہ کے آگے جھک جاؤ) تو ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے جھک گیا ہوں۔ اور اسی بات کی ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لئے یہ دین منتخب کر لیا ہے تم مرتے دم تک اسی پر قائم رہنا اور اسی پر مرنا[ا] (اسلام ہی کی حالت میں مرنا)۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آئی اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار (مسلمان) ہیں۔ یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے لئے ان کے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور تم سے نہیں سوال کیا جائیگا کہ وہ کیا کرتے تھے[۲]"

ا اس جگہ تین لفظ ہیں (۱) ملّت (۲) اسلام اور (۳) دین۔ تینوں کا مطلب قریب ہی قریب ہے۔ صرف استعمال کے لحاظ سے فرق ہے۔

ملّت۔ دینی طریقۂ زندگی اور دستورالعمل کو کہتے ہیں۔ اسلام کے معنی زندگی کے حالات و معاملات میں صرف اللہ کے آگے جھکنا اور اسی کی فرمانبرداری کرنا۔ دین سے مراد زندگی گزارنے

کی وہ بنیادی ہدایتیں ہیں جن پر عمل کرنے سے طریقۂ زندگی یا دستور العمل (طرزِ فکر اور طرزِ عمل دونوں) متعیّن ہوتا ہے۔

اس طرح امتِ مسلمہ کی زندگی کا دستور العمل ملّتِ ابراہیمی قرار پایا جس کی بنیاد دین پر قائم ہے اور دین کی حقیقت اسلام (صرف اللہ کے آگے جھکنا) ہے۔ یہاں ملّت، دین اور اسلام کسی کی تفصیل نہیں ہے۔ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ امتِ مسلمہ کی زندگی کا دستور العمل وہی ملّتِ ابراہیمی ہے جس کے تم (یہود و نصاریٰ وغیرہ) دعوے دار ہو۔ اس کی بنیاد بھی اسی دین پر قائم ہے جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین تھا اور جس کی حقیقت ہمیشہ اسلام رہی ہے۔ یعنی صرف اللہ کے آگے جھکنا۔ اس اندازِ بیان سے ایک طرف تاریخی تجربے سے "دستور" کو مضبوط کیا گیا اور دوسری طرف مخالفین کی وحشت دور کی گئی ہے۔ یہاں دین اور اسلام کے لفظ سے لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہوتی ہے جب کہا جاتا ہے کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوئی یا مذہب سب کا "اسلام" رہا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوا تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ "اسلام" کا موجودہ مجموعہ سب کا مذہب رہا ہے یا اسلام اسی شکل و صورت کے ساتھ سب کا "دین" رہا ہے۔ حالانکہ یہ بات واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس مجموعہ میں ایک بڑا حصّہ شریعت کا ہے جس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے جبکہ دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اسی طرح "اسلام" میں کوئی اختلاف نہیں ہوا جو دین کی حقیقت اور اصل دین ہے۔ (یعنی اللہ کے آگے جھک جانا اور اسی کا فرمانبردار رہنا) اب جو اسلام کا مجموعہ ہے اس کے شریعت والے حصّہ میں اختلاف ہوتا رہا ہے، سب کی یکساں شریعت نہیں رہی ہے۔ اس لحاظ سے ملّتِ ابراہیمی میں جس کو دین کہا گیا ہے اس سے مراد ایمان و اعتقاد، عبادت و طاعت، طہارت و پاکی، نیکی و بدی اور پاکیزگی و گندگی کے بارے میں اللہ کی ہدایتیں ہیں جو ہمیشہ یکساں رہی ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کمی بیشی تو ہوسکتی ہے کہ کسی زمانہ میں کچھ کم ہدایتیں آئی ہوں اور کسی میں زیادہ آئی ہوں لیکن ایسا نہیں ہوا کہ کبھی توحید کی ہدایت ہو پھر اس کو بدل کر شرک کر دیا گیا ہو۔ کبھی اللہ کی عبادت و طاعت کا حکم ہو پھر کسی اللہ کے غیر کو اس میں شامل کر لیا گیا ہو۔ کبھی ایک چیز کو پاک، پھر ناپاک قرار دیا گیا ہو۔ کبھی نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی، پاکیزگی کو گندگی اور گندگی کو پاکیزگی قرار دیا گیا ہو۔

اسی طرح ملت ابراہیمی میں جس کو "اسلام" کہا گیا ہے اس سے مراد اللہ کی ہدایتوں میں اُسی کے آگے جھکنا اور اُسی کا فرمانبردار رہنا ہے۔ وہ ساری تفصیلات مراد نہیں ہیں جو اسلام کے نام سے موجود ہیں۔

اللہ کی انہی ہدایتوں پر شریعت کی عمارت تیار ہوتی اور اس کی شکل وصورت متعین کی جاتی ہے جس میں حالات وزمانہ اور قومی مزاج کی رعایت سے تبدیلی ہوتی رہی ہے (دین و شریعت کی بحث کہیں اپنے موقع پر آئے گی)۔

ایسے ہی جب کہا جاتا ہے کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر ہو تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دین کی جو ہدایتیں ان کو دی گئی تھیں وہی تمہیں دی گئی ہیں اور اللہ کے آگے جھکنا اور ہدایتوں کا فرمانبردار رہنا جو ان کا طریقہ رہا ہے وہی تمہارا بھی ہے۔

۲۔ ملت ابراہیمی یا امت مسلمہ کے دستور العمل کا امتیاز (ا) خالص اللہ کی عبادت (ب) خالص اللہ کی اطاعت اور (ج) اور ہر ایک پر اس کے عمل کی ذمہ داری ہے۔ باپ دادا کی عظمت و ان کا تقدس اپنی جگہ ہے لیکن کوئی کسی کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہے ہر ایک کو اپنا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ یہ خیال غلط ہے کہ کسی کے آباء واجداد کی بزرگی اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔

اُمت مسلمہ کے دستور العمل کا اصلی رنگ

دستور العمل کا اصلی رنگ اقرار ہے انکار نہیں ہے تصدیق ہے تکذیب نہیں ہے اتحاد ہے اختلاف نہیں ہے یہ وہی رنگ ہے جو شروع سے اللہ کے دین کا رہا ہے اور سب کو دیا گیا ہے۔ لیکن دین کے دعویداروں نے اس کی حقیقت گم کر دی ہے اور فرقہ بندی وگروہ بندی کے رنگ میں اپنے کو رنگ لیا ہے جس میں اپنے سوا سب کا انکار ہے اپنے سوا سب کی تکذیب ہے اور اپنے سوا سب سے اختلاف ہے۔ فرقہ بندی وگروہ بندی کا یہ رنگ کسی قوم وجماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ گراوٹ وپستی کے زمانہ میں ہر قوم وجماعت اس میں مبتلا ہوتی اور دین ومذہب کے نام

پر جو کچھ اور جس شکل میں اس کے پاس ہوتا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتی ہے اسکے علاوہ کسی اور کو خاطر میں لانے کے قابل ہی نہیں سمجھتی ہے ان آیتوں میں اصلی رنگ دکھایا گیا ہے ۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ
اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى
وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ
اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ج
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ
وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ آیات ۱۳۵ تا ۱۴۱)

"اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے آپ کہہ دیجئے کہ (نہیں) بلکہ ہم تو ابراہیمؑ کی ملت پر ہیں جو یکسو ہو کر خالص اللہ کی طرف تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے لے کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا اور جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسٰیؑ و عیسٰیؑ کو دیا گیا اور جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم اسکے

رسولوں میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے ہیں اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔ اگر وہ بھی (اسی طرح) ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہی ہٹ دھرمی پر ہیں۔ آپ کے لیے اللہ ان سے کافی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے؟ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں[1] آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب ہے اور تمھارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل ہیں اور ہم تو اسی کے مخلص ہیں۔ یا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے، کہہ دیجیے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ زیادہ جانتا ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو گواہی چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے[2] وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی، ان کے لیے ان کے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل ہیں اور تم سے ان کے بارے میں پوچھا نہ جائیگا[3]"

[1] یہود و نصاریٰ بھی پہلے ملت ابراہیمی پر تھے جس میں شرک کی گنجائش نہ تھی اور اسی سے ان کو ہدایت ملی تھی اب بھی اسی میں ہدایت ہے یہود و نصاریٰ بننے میں ہدایت نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی ملت یا ملت ابراہیمی پر قائم نہیں ہیں۔

قرآن میں کئی جگہ حضرت ابراہیمؑ کی صفت "حنیف" آئی ہے جس کا مطلب وہ شخص ہے جو ادھر مائل نہ ہو اور یکسو ہو کر خالص اللہ کا فرمانبردار رہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اس پر گواہ ہے کہ قوم، وطن، خاندان، آل اولاد اور خود اپنی ذات کی اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کبھی پرواہ نہ کی

[2] اللہ کا رنگ یہ ہے کہ اللہ نے جتنے پیغمبر بھیجے اور جتنی کتابیں اتاریں ان سب پر ایمان لایا جائے۔ کسی پر ایمان اور کسی کا انکار یہ اللہ کا رنگ نہیں ہے بلکہ فرقہ بندی و گروہ بندی کا رنگ ہے۔ یہودی اس بات سے تو خوش تھے کہ مسلمان حضرت موسیٰؑ پر ایمان لاتے ہیں لیکن اس بات سے ناخوش تھے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ پر بھی ایمان لاتے ہیں اسی طرح عیسائی اس بات سے خوش تھے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ

پر ایمان لاتے ہیں لیکن اس بات سے ناخوش تھے کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر بھی ایمان لاتے ہیں ۔

اللہ نے دنیا میں بےشمار پیغمبر بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجے ان میں بعض کا ذکر موجود ہے اور بہت سوں کا ذکر نہیں ہے لیکن سب پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے خواہ ان کا ذکر ہو یا نہ ہو جن کا ذکر نہیں ہے ان کی پیغمبری کو پہچاننے کا طریقہ ان کی زندگی اور ان کی تعلیم ہے پیغمبروں کی زندگی جیسی صاف ستھری اور آزمائش کی گذرتی ہے اس کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے پیغمبروں کی بنیادی تعلیم میں یکسانیت ہوتی ہے اس میں فرق نہیں ہوتا ہے اس تعلیم کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے اگر ان دونوں کسوٹی پر کسی کی زندگی اور تعلیم پوری اترتی ہو تو اسکو پیغمبر تسلیم کرنا چاہیے اگرچہ اسکا ذکر نہ ہو ۔

سے ظاہر ہے کہ حضرتِ انبیا علیہم السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے ۔ یہ فرقے ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں ۔ اس موقع پر اللہ نے ان کے یہودی اور نصرانی نہ ہونے کے دو جواب دیئے ہیں ایک عوام کو کہ ان حضراتؑ کے بارے میں تمھیں علم زیادہ ہے یا اللہ کو ہے تم تو اسوقت تھے بھی نہیں کہ کوئی بات دیکھ کر کہہ سکتے ؟ چار و ناچار تمھیں اللہ ہی پر زیادہ بھروسہ کرنا ہوگا ۔ دوسرا علماء کو کہ تم ایسے مقام پر ہو کہ حق بات کی گواہی اللہ نے تمھارے سپرد کی ہے لیکن تم حق بات کے مقابلہ میں فرقہ اور گروہ کو ترجیح دے رہے ہو اور گواہی چھپانے کے مجرم بنے ہوئے ہو ، حالانکہ وہ شخص سب سے بڑا ظالم ہے جو اللہ کی طرف سے سپرد کی ہوئی حق بات کی گواہی چھپائے ۔

فرقہ و گروہ کے مقابلہ میں حق بات چھپانے اور حق کی گواہی نہ دینے کی بات کسی قوم کے علماء کے ساتھ خاص نہیں ہے اگری ہوئی قوموں کے علماء میں عام طور سے پائی جاتی ہے مسلمانوں کے علماء میں تو اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں ۔

سے یہ آیت الٰہی اوپر گزر چکی ہے ۔ بات کو ذہن میں بٹھانے کے لیے اگرچہ تکرار مفید ہے لیکن یہاں تکرار ماننے کی ضرورت نہیں ہے ، اوپر یہود و نصاریٰ کی طرف گفتگو کا رخ تھا ان سے یہ بات کہی گئی تھی یہاں مسلمانوں کی طرف گفتگو کا رخ ہے ان سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ بڑوں کی بڑائی اپنی جگہ ہے لیکن کوئی کسی کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہے ہر ایک کو اپنا بوجھ اٹھانا پڑیگا ۔

(جاری ہے)